



17-07-2017

موقف میں یکسانیت

مفتی منیب الرحمن

وزیر اعظم نواز شریف اور پی ٹی آئی کے چیئرمین جناب عمران خان ایک دوسرے کے ”عَدُوُّ مُبِیْن“ یعنی کھلے دشمن ہیں۔ اب دونوں کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھ کر قومی مسائل کا قابل قبول حل نکالنے کے امکانات معدوم ہیں۔ ماضی میں صدر ایوب خان کے خلاف متحدہ حزب اختلاف ہو یا جناب ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف پی این اے کی تحریک، سیاسی قائدین مذاکرات کا دروازہ کھلا رکھتے تھے۔ لیکن اب ایک دوسرے کی اہانت اور نفرتیں سیاسی اختلاف سے نکل کر ذاتی عداوت کی سطح پر آ پہنچی ہیں اور یہ افسوسناک صورتحال ہے۔ سیاسی اختلاف کے باوجود ماضی کے سیاسی رہنماؤں کا طرزِ مخاطب تہذیب کے دائرے میں رہتا تھا، مگر اب ایسا نہیں ہے۔ ہم اقدار و روایات کے عہد زوال میں جی رہے ہیں۔ جناب نواز ابراہیم شاہ احمد نورانی صدیقی ایسی کوئی باوقار مذہبی شخصیت ہے جو باہم برسرِ پیکار میں موجود نہیں ہے جو سب کو ایک میز پر جمع کر سکے اور نہ ہی علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی ایسی کوئی باوقار مذہبی شخصیت ہے جو باہم برسرِ پیکار مذہبی طبقات کو یکجا کر سکے۔ پس یہ ایک قومی المیہ ہے۔ آزاد میڈیا نے اختلاف رائے اور ذاتی عداوت کو ہم معنی بنا دیا ہے۔

اس وقت وزیر اعظم نواز شریف اور جناب عمران خان دونوں مقدمات کا سامنا کر رہے ہیں، اپنے اپنے دعوے کے مطابق دونوں پارسیا ہیں اور اُن کا حریف بدعنوان ہے۔ جے آئی ٹی کے سامنے پیشی کے بعد جناب نواز شریف نے اپنے خلاف دائرِ مقدمے کی بابت اپنا موقف بیان کیا، اسی طرح اپنے خلاف دائرِ مقدمے کے بارے میں جناب عمران خان کا موقف بھی سنا تو مجھے دونوں کے موقف میں یکسانیت نظر آئی۔ کرپشن کے بارے میں دونوں کی تعریف معنوی اعتبار سے قریب تر ہے۔ البتہ فریقِ مخالف پر اطلاق اور تعبیر و تشریح دونوں کی اپنی اپنی منشا کے مطابق ہے۔ جناب عمران خان اپنے خلاف دائرِ مقدمے کی بابت کہتے ہیں: ”میں کسی بااختیار حکومتی منصب پر کبھی فائز نہیں رہا، لہذا مجھ سے جواب طلبی کیوں کی جا رہی ہے“۔ ایسی ہی بات جناب نواز شریف نے کہی: ”جے آئی ٹی نے میرے سوالوں کا جواب نہیں دیا کہ میں نے کسی سرکاری ڈیل میں کوئی رشوت لی ہے Kick Back لیا ہے، کمیشن لیا ہے یا عوام کا پیسا کھایا ہے تو ثبوت دیجیے۔ میرے ہاتھ تو کرپشن کی میل سے بالکل پاک ہیں“۔ ظاہر ہے اس کے لیے ٹھوس ثبوت اور شواہد چاہئیں۔ الزام پانا مالکس سے شروع ہوا تھا لیکن کرپشن کا سراغ لگانے والے ماہرین نے سات سمندروں میں غوطہ زنی فرمائی ہے، اب پانا مالکس صرف عنوان ہے، دس بھاری کارٹن

پر مشتمل جو کتاب تصنیف کی گئی ہے، اُس میں پاناما لیکس کا ذکر برائے نام ہے۔ اسی کو مسلم لیگ ن بدعتی سے تعبیر کر رہی ہے کہ پاناما لیکس بہانہ ہے، پس پردہ ایجنڈا کچھ اور ہے۔

اہل اقتدار پر بجا طور پر ایک الزام یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ وہ اپنے کاروبار کو بڑھاوا دینے اور مفادات حاصل کرنے کے لیے حکومتی منصب اور اختیارات کی وجاہت کو استعمال کرتے ہیں، لہذا اُن کا کوئی کام کہیں رکتا نہیں ہے، ورنہ بقول جناب ریاض ملک ”فائلوں کو پیسے لگانے پڑتے ہیں“۔ یہ رعایت کسی نہ کسی درجے میں ہمارے معاشرے میں غیر سرکاری مقبول عام پارعب داب والی شخصیات بھی حاصل کرتی ہیں، ان میں مقتدر اداروں کی موجودہ یا ریٹائرڈ شخصیات، سیاستدان، میڈیا پرسنز، صحافی اور مسلح گروہوں کے افراد بھی شامل ہیں۔ جناب عمران خان تو کرکٹ ورلڈ کپ جیتنے کی بنا پر ایک عرصے سے نہایت نمایاں اور مقبول عام شخصیت رہے ہیں، ہم جیسے بے مایا بھی کہیں جاتے ہیں تو سرکاری اختیارات یا رعبد و بدبہ کی ہوائ تک نہ لگنے اور مکمل بے اختیار ہونے کے باوجود کچھ نہ کچھ احترام مل جاتا ہے، کسی نہ کسی درجے میں ترجیح دے دی جاتی ہے، کبھی کوئی انکا ہوا کام نکل جاتا ہے۔ انٹرپورٹ پر یا کسی جگہ لائن میں لگے ہوں تو لوگ احترام سے آگے آنے کی پیشکش کر دیتے ہیں، اگر ہم ان سے کہیں کہ دوسروں کو اعتراض ہوگا، تو وہ کہتے ہیں: ہم اپنی جگہ آپ کو دے کر قطار کے پیچھے جا کھڑے ہوتے ہیں۔ سو یہ رعایت یا ترجیح کہیں کم اور کہیں زیادہ ہماری معاشرتی اقدار کا حصہ ہے۔ ہماری رائے میں اس حوالے سے جناب عمران خان کا رعبد داب جناب نواز شریف سے زیادہ ہے، لیکن جب سیاسی جنگ میں ان کا نام کسی کے لبوں پر آجائے تو وہ جلال میں آجاتے ہیں کہ میرا نام کیوں لیا جا رہا ہے۔

2000ء کے بعد سے آزاد الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پوری قوت اور بلند آہنگ کے ساتھ میدان میں آیا ہے، اسی لیے کئی صنعت کاروں اور سرمایاداروں نے شعبہ صحافت سے تعلق نہ ہونے کے باوجود ٹیلی ویژن چینل کھول لیے ہیں تاکہ اُن کی طرف کوئی میلی نظر سے دیکھنے کی جسارت ہی نہ کر سکے۔ سو کوئی مانے یا نہ مانے اب یہ بلیک میٹنگ، حکمرانوں اور اعلیٰ بیوروکریسی کو دباؤ میں رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ کس کی مجال ہے جو ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے، وہ تو خود اُن سے جان کی امان چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حکمران مٹی ٹریل کا ثبوت نہ دے سکیں تو مجرم، لیکن یہی کام کوئی ہیبت رکھنے والا سیاسی رہنما یا میڈیا پرسن کرے تو یہ اس کی شان اور استحقاق ہے۔ جو انگلی اٹھائے، وہ بے ضمیر بلکہ ضمیر فروش اور کسی کا زرخیر ایجنڈا قرار پائے۔ بہت سے مقدمات ادارہ قومی احتساب، الیکشن کمیشن آف پاکستان اور سپریم کورٹ آف پاکستان میں دائر ہیں۔ کوئی لائن میں لگے پیشیوں کے لیے آرہے ہیں اور کوئی اشتہاری قرار دیے جانے اور روز سر شام میڈیا پر رونق افروز ہونے کے باوجود ایسی سلیمانی ٹوپی پہنے ہوتے ہیں کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو نظر ہی نہیں آتے۔ یہی ہمارے ملک کا قانون ہے اور یہی ہمارا نظام عدل ہے۔

ہم آئے دن جس ترقی یافتہ دنیا کی مثالیں دیتے ہیں، وہاں قانون کی حکمرانی ہے، جواب دہی صرف اہل اقتدار سے نہیں ہوتی، ہر ایک سے ہوتی ہے اور ہو سکتی ہے۔ ریاستی اور حکومتی اختیارات کے ناجائز استعمال کی طرح ٹیکس چوری، قانون شکنی، دباؤ میں لانے کے لیے حیلے اور حربے استعمال کرنا سب جرم ہیں، لیکن ہمارے ہاں ایسا نہیں ہے۔ میڈیا پر اپنے اپنے قائد کی پارسائی ثابت کرنے کے لیے ہر سیاسی جماعت کے ترجمانوں کا لفاظی اور اداکاری کا ماہر ہونا ضروری ہے، ان کے فرمودات کا حقائق پر مبنی ہونا لازمی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے: (1) ”سو تم اپنی پارسائی بیان نہ کرو، اللہ متقین کو خوب جانتا ہے، (النجم: 32)۔“ (2) ”کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی پارسائی بیان کرتے ہیں، بلکہ اللہ ہی جس کو چاہے پاکیزہ فرماتا ہے، (النساء: 49)۔“

ہمارے ہاں جس کی گردن پھنس جائے، وہ تماشا گاہ عالم بن جاتا ہے اور جو ٹکٹے میں نہ آئے، وہ پارسا ہوتا ہے۔ ورنہ اگر ہر ایک کو اسی طرح کڑا حساب دینا پڑ جائے، تو فقیر بے نوا کے سوا شاید ہی کوئی بچ پائے۔ اسکول کے زمانے میں ایک کہانی پڑھی تھی: ”ایک آدمی کسی بے غم شخص کی تلاش میں سرگرداں تھا، وہ جس کے پاس جاتا اسے کسی نہ کسی پریشانی میں مبتلا پاتا اور وہ اپنی داستانِ غم لے کر بیٹھ جاتا۔ آخر کار دریا کے کنارے اسے ایک مست الست شخص ملا، اُس شخص نے اُس سے پوچھا: ”تجھے کوئی غم اور پریشانی ہے؟“، اس نے کہا: ”بالکل نہیں“، اس نے سمجھا مجھے مراد مل گئی۔ لیکن پھر اُسے غور سے دیکھا تو پتا چلا کہ وہ شخص تو ضروری ستر کے علاوہ لباس کے غم سے بھی آزاد ہے۔ حضرت لعل شہباز قلندر نے کہا ہے:

بے کام و بے زبانم مست الست ہستم بے نام و بے نشانم مست الست ہستم

ترجمہ: ”میں تالو اور زبان کے بغیر مست الست ہوں، میں بے نام و بے نشان ہوں (مگر) مست الست ہوں۔“ یعنی دنیاوی لذتوں اور نام و نمود سے مجھے کوئی غرض نہیں ہے۔

پاکستانیوں کی اربوں ڈالر کی جائیدادیں ملک سے باہر ہیں، کون ہے جو اس کا کافی دشانی جواب دے سکے۔ ہمارے ہاں قانون کی گرفت سے بچ کر نکلنے والے سابق یا موجودہ بیوروکریٹس، حکمران، سیاستدان اور اہل ثروت جو تمام تر عورتوں کے ساتھ طویل عرصے بیرون ملک قیام فرماتے ہیں، اُن سے آج تک کس نے حساب لیا ہے، کوئی ہے جو ان سے حساب لے اور انتقالِ دولت کا قانونی ذریعہ دریافت کرے۔ جناب عمران خان سے جب بعض کرپشن زدہ سیاستدانوں کی پی ٹی آئی میں شمولیت کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے کہا: ”میں آصف زرداری کے سوا سب کو ڈرائی کلین کر کے پاک کر دوں گا“، الغرض تطہیری سند حاصل کرنے کے لیے صرف فلور کرا سنگ کافی ہے۔

کرپشن کے خلاف شور و غوغا تو ایک عرصے سے جاری ہے اور بلاشبہ اس میں سب سے توانا آواز جناب عمران خان کی ہے، مگر ایک جامع، کامل اور سخت گیر نظامِ احتساب بنانے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں ہے اور نہ ہی پی ٹی آئی سمیت کسی جماعت نے اپنی طرف سے پیش رفت کر کے کوئی پرائیویٹ مسودہ قانون پارلیمنٹ میں پیش کیا ہے، بلکہ خیبر پختونخوا کا ادارہ احتساب بھی بے اثر رہا اور اس پر سوال اٹھ رہے ہیں۔ تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ ہمارا وطن عزیز معاشرے کی مذہبی، سیاسی، گروہی، طبقاتی، لسانی اور علاقائی پر مبنی تقسیم و تقسیم کے سبب کسی انقلاب یا حقیقی تبدیلی کے لیے سازگار نہیں ہے۔ ہمارے مقدر میں صرف دعوے، نعرے، فریب و سراب، یوٹوپیا اور تحریلاتی ہیولے ہیں، حقیقت نہ کبھی تھی، نہ ہے اور نہ مستقبل قریب میں اس کے کوئی امکانات ہیں، الا یہ کہ قادرِ مطلق کے ٹکوینی فیصلے کے تحت پردہ غیب سے کوئی صورت اچانک نمودار ہو جائے اور سب کچھ الٹ پلٹ ہو جائے۔ سونوا ز شریف رہیں یا مستعفی ہوں، ہمیں تدریجی ارتقا پر ہی قناعت کرنی ہوگی۔